رضوان اللہ

بعد از موت

— ۲ —

تناسُخ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مذاہب کی ایک بڑی تعداد اس بات کو بطور عقیدہ مانتی ہے کہ انسان کی روح خدا کا جز یا اس کا کوئی عکس نہیں اور نہ موت کے بعد یہ اُس میں ضم ہی ہوتی ہے، بلکہ اس کا اپنا ایک مستقل بالذات وجود اور الگ سے ایک تشخص ہے کہ جس کے ساتھ وہ دوبارہ سے زندگی پالے گی۔ پھر اس بات پر ان میں اختلاف ہے کہ اسے نئی زندگی کب اور کہاں پر ملتی ہے؟ یعنی کیا یہ حادثۂ موت کے متصل بعد اور اسی دنیا میں واقع ہو جاتا ہے یا اس کے لیے کسی خاص وقت اور نئی دنیا کا انتظار ہوتا ہے؟ یہاں پر دو طرح کی آرا ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ انسانی روح جب جسد خاکی سے جدا ہو جاتی ہے تو اس کو اسی دنیا میں کسی نئے مادی قالب میں پھونک دیا جاتا ہے جو کہ حیوانی بھی ہو سکتا ہے اور نباتاتی بھی[۱]۔ پھر ایک وقت آتا ہے جب یہ اس سے بھی جدا ہو جاتی اور کسی تیسرے قالب میں داخل کر دی جاتی ہے؛ اور یہ سلسلہ ایک خاص وقت تک یونہی چلتا رہتا ہے۔ روح کا اس طرح ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتے چلے جانا، مذہبی اصطلاح میں تناسخ یا آواگون (Reincarnation) کہلاتا ہے۔

تناسخ کی تاریخ

اس عقیدے کا وجود نویں صدی قبل مسیح سے پہلے تقریباً ناپید تھا۔ اس کے بعد کا کوئی دور تھا جب اس کی خام

۱؎ حیوانی یا نباتاتی، ان دونوں میں سے کس کے اندر اس روح کو پھونکا جائے گا، اس بات کا فیصلہ اس کے کرم (اعمال) کرتے ہیں۔

صورتیں مختلف مقامات پر ابھرنا شروع ہوئیں، مگر متعین و معروف شکل میں اس کی پیدایش ایک ہندو گھرانے ہی میں ہوئی۔ ہندوؤں کا تصور دین چونکہ بڑی حد تک دیومالائی سا ہے، اس لیے یہ گھرانا اس کی پرداخت کے لیے نہایت موزوں ثابت ہوا۔ کچھ زمانہ گزر گیا تو بدھ مت اور جین مت آگے بڑھے، اس کو کچھ سنوارا، کچھ رنگ روپ بدلا اور پھر گود لے لیا۔ تیسری صدی قبل مسیح میں جب بدھ مت مشرقی ایشیا گیا تو اسے بھی اپنے ساتھ لیتا گیا جہاں تاؤازم اس کو متبنّیٰ کر لینے کے لیے بالکل تیار تھا۔ بعدازاں، فکر یونان نے بھی مشرق کا اثر قبول کیا تو اس پختہ عمر ہو چکے تناسخ سے ناتا جوڑ لیا اور کسی حد تک اسی کا ہو رہا۔

عقیدۂ تناسخ بن جانے کے وجوہ

تناسخ کی ابتدا کب ہوئی اور یہ کن ادوار اور کن مقامات میں اپنی تکمیل کرتا رہا، یہ سب جان لینے کے بعد اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ محض ایک خیال اور واہمے کے باقاعدہ ایک عقیدے کی صورت میں ڈھل جانے کے آخر وجوہ کیا ہوئے؟

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہمیشہ جیتے رہنے کی خواہش، اس کی پہلی وجہ ہوئی۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو دنیا کے بارے میں اس کا علم نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے، مگر وقت کے ساتھ وہ بہت کچھ جان لیتا اور یہاں کی چیزوں سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ لیکن طرفہ تماشا ہے کہ عین اس وقت جب وہ عقل و دانش کی بلندیوں پر ہوتا اور تجربات کے گراں قدر خزانوں سے مالا مال ہوتا ہے، اس کے قویٰ مضمحل کر دیے جاتے اور سمجھ بوجھ کی تمام صلاحیتیں کند کر دی جاتی ہیں اور آخر کار وہ لمحات بھی آ جاتے ہیں کہ اسے خواہی نخواہی رخت سفر باندھنا اور یہاں سے رخصت ہونا پڑتا ہے۔ اب، ظاہر ہے، کون چاہے گا کہ ایسے ایسے عروج پا کر پھر سے زوال آشنا ہو جائے اور اس بھرے میلے کو الوداع کہہ دے؟ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ وہ اس بات کو مان لینے کے باوجود کہ اسے مر جانا ہے، کبھی مرنا نہیں چاہتا۔ کبھی امرت ڈھونڈتا ہے تو کبھی آب حیات کے فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یوں اپنی آرزوؤں کی تسکین کا سامان کیا کرتا ہے[۲]۔ تناسخ کا عقیدہ بھی اصل میں کچھ نہیں، اسی طرح کا موہوم سا ایک جتن ہے۔ ایک حشیش ہے جو مست اور بے خود ہو جانے والوں کو دیس نکالا نہیں دیتی، بلکہ ان کے لیے ایک دنیائے خواب بناتی اور انھیں اس میں بسا کر عمر جاوداں بخش

۲؎ یہ خواہش ویسے تو بڑی ہی معصوم اور نہایت بے ضرر ہے اور یقیناً پوری بھی کر دی جاتی، مگر اسے پورا کر دینا یہاں کی مجموعی حکمت کے بالکل خلاف ہوتا۔ لہٰذا ہوتا یہی ہے کہ اس طرح کی تمام آرزوئیں لاحاصل رہ جاتی اور اس طرح کے سب خواب چکنا چور ہو جاتے ہیں۔

دیتی ہے۔

انسان کے ذہن کا افسانوی پس منظر، اس عقیدے کے بننے کی دوسری وجہ ہوا۔ اس کو قدرت کی طرف سے نہایت اعلیٰ درجے کا ذہن عطا ہوا ہے جو اپنی صلاحیتوں کو عمل میں لاتا ہے تو ہزار ہا داستانیں تخلیق ہو جاتی ہیں۔ نئی نئی دنیائیں بنتی ہیں کہ جن میں پری زاد کوہ قاف سے اترتی، نقرئی پروں سے اُڑتی پھرتی اور ہر طرف پھول اور ستارے بکھیرتی چلی جاتی ہیں۔ عجیب وغریب جہان آباد ہوتے ہیں کہ جن میں جنات بسیرا کرتے، بدروحیں خون آشام ہو جاتی اور چڑیلیں بے لباس ہو ہو کر اچھل کود کیا کرتی ہیں۔ اس خواب وخیال پر کیا اعتراض تھا اگر یہ سب تفریح پر موقوف ہوتا۔ مگر کبھی کبھی انسان کا جی چاہتا ہے کہ اس کا تخیل ہر سو پرواز کرے اور اس کی جولانیاں دنیوی ہی نہیں، دینی میدان میں بھی اپنا آپ منوائیں۔ چنانچہ اس کی کہانیوں میں دینی خیالات اب باقاعدہ کرداروں میں ڈھل جاتے اور اس کے مذہبی نظریات چلتے پھرتے جسموں میں بدل جاتے ہیں۔ اور یہ تخلیق اپنے کلائمیکس کو اُس وقت پہنچتی ہے جب حضرتِ انسان شکلیں بدل بدل کر جانور بن جاتے اور عاجز وبے بس جانور آدمیوں کے روپ میں مارے مارے پھرتے ہیں[3]۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

قدیم انسان کا ٹوٹم (totem) کے ساتھ تعلق، اس عقیدے کے بن جانے کی تیسری وجہ ہوا۔ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک وقت اس پر ایسا بھی گزرا ہے جب اس نے مظاہر فطرت کی خوب پرستش کی ہے۔ اجرام سماوی ہوں یا درخت اور جانور، ان سب کو اس نے پوجا، ان کے سامنے ڈنڈوت کیے، ان کی علامتیں بنا بنا کر ان کو جھکی جبینوں کی نذریں گزرانی ہیں۔ بلکہ حشیش وحشرات اور شمس وقمر کی تو بات ہی کیا، یہ خدا بنانے پر آ گیا ہے تو اس کے توہمات بھی اس کی الٰہیات میں معبود ٹھیرے ہیں۔ مظاہر فطرت کے ساتھ اس حد تک وابستگی اور اس پر مبنی دینی رویہ، اصل میں یہ وہ چیز تھی جس نے بعد از موت زندگی میں بھی اپنی جھلک دکھائی اور اس بے چارے کو ایک ایسے سلسلے میں پرو دیا کہ جس میں یہ کبھی ایک جسم میں ہوتا ہے تو کبھی دوسرے جسم میں؛ اور وہ دوسرا جسم بالعموم، ٹوٹم یعنی نباتات یا پھر حیوانات ہی میں سے ہوتا ہے۔

انسان کی ظلم پر روک لگانے کی اپنی سی ایک کوشش، اس عقیدے کے بننے کی چوتھی وجہ ہوئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ خدا نے کائنات اور اس میں رہنے والوں کو اصلاح کے اصول پر بنایا ہے، مگر یہاں کے باسی چونکہ صاحب اختیار ہیں، اس لیے بعض اوقات اپنی فطرت کو مسخ کر بیٹھتے اور دنیا کو اصلاح کے بجائے فساد اور امن کے بجائے بدامنی سے

[3] ستم یہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ انسان آپ سوچتا اور آپ ہی کہتا ہے، مگر بے دھڑک دوسروں کو خدا کے نام سے سنا دیتا ہے۔

بھر دیتے ہیں۔ دنیا کو اس کی اصل پر قائم رکھنے کے لیے اب ضروری ہو جاتا ہے کہ فساد اور بدامنی کے ان کاموں پر اخلاقی قدغنیں لگائی جائیں اور ان کے برے نتیجوں سے لوگوں کو متنبہ کیا جائے۔ اس غرض کے لیے، تاریخ شاہد ہے، ہمیشہ سے چلا آتا آخرت کا عقیدہ نہایت مفید بھی تھا اور آزمودہ بھی۔ لیکن انسان ٹھیرا سدا کا جلد باز اور تھڑدلا! وہ نقد چھوڑ کر ادھار کے چکر میں کیوں پڑتا؟ اس لیے اس کو یہ عقیدہ اس اعتبار سے بے حد ناقص نظر آیا کہ اس میں گناہوں کی سزا اس دنیا میں نہیں دی جاتی، بلکہ اگلی دنیا تک مؤخر کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ جلد بازی کی اسی نفسیات نے اس کو مجبور کیا کہ وہ اصل عقیدے کی نوک پلک درست کرے اور مسئلے کا فوری حل دینے کے لیے تناسخ کا عقیدہ گھڑے۔ سو وہ لوگوں کو ڈرانے لگا کہ اسی کائنات میں کہ جس میں تم ایک دولھے کے مانند زندگی بسر کرتے ہو، اگر جور و جفا سے کام لیا تو نباتات اور حیوانات کی طرح کم ذات اور ذلیل ہو کر رہ جاؤ گے۔ تمھارے دوست احباب اور عزیز و اقربا، تمھارے سامنے اٹھکھیلیاں کرتے پھریں گے، مگر تم ہو گے کہ ان کے سان گمان سے بھی دور رہو گے۔ تمھاری حیثیت نظر انداز کیے ہوئے کسی درخت یا کتے کی سی ہو جائے گی۔ انھیں پھل پھول اور گھنا سایہ دینے اور ان کے پیچھے دم ہلانے، حتیٰ کہ ان کے تلوے تک چاٹنے کے باوجود، تم ان کی نگاہِ التفات سے یک سر محروم رہو گے۔ اور اس طرح اذیت بھرا اور بے بسی میں گھرا ہوا تمھارا ایک ایک پل نہ گزرنے والی طویل ترین صدیوں میں بدل جائے گا۔ واضح سی بات ہے کہ انسانی حکمت ظلم و عدوان پر روک لگانے کے لیے اس سے زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز کوئی اور ڈراوا نہیں بنا سکتی تھی۔ لہٰذا مذہبی پیشواؤں نے اسے خوب استعمال کیا اور عقیدۂ تناسخ کی بنیادیں فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

دنیا میں پائے جانے والے دکھ درد کی غلط توجیہ، اس عقیدے کے بن جانے کی پانچویں وجہ ہوئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں ہر پھول کے دامن میں کانٹے اور خوشی کے پردے میں غم کچھ اس طرح چھپا ہوا ہے کہ ان کو الگ کر دینا کسی کے بس میں نہیں، حالاں کہ اس کے برعکس یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ یہاں کی مسرتیں غموں سے بالکل اجنبی اور پھول کانٹوں سے کوسوں دور ہوتے۔ کہیں ظلم ہوتے نہ ان پر ماتم ہوتے، دکھ ہوتے نہ پھر درد روتے۔ بالخصوص، کم سن بچے تو ہمیشہ سکھی رہتے۔ انھیں دردناک بیماریاں آن گھیرتی نہ بھوک کی سختیاں ستاتی اور نہ ان کے استحصال ہی کی کوئی صورت ہوتی کہ اس معصوم اور بے ضرر مخلوق نے آخر کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ پھر وہ خدا جو انسان کی پیدایش سے لے کر اس کی موت تک ہر ہر مرحلے میں نہایت مشفق اور مہربان رہا، اتنا ظالم کیسے ہو گیا کہ بے گناہوں کو بھی ہر وقت کسی نہ کسی عذاب میں گرفتار کیے ہوئے ہے؟ یہ سوالات تھے جن کا جواب بعض کم سوادوں نے کچھ اس طرح ڈھونڈا کہ کسی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کا دکھوں میں مبتلا ہونا یا مصائب میں گرفتار ہو جانا، حکمت کے خلاف ہے اور نہ اس پر ہونے والا قدرت کا کوئی ظلم ہے، بلکہ یہ سب اس کے پرانے کرموں کے نتائج ہیں، یعنی اگلے جنموں میں جو گناہ اس نے کیے، یہ انھی کا کیا دھرا ہے کہ اِس جنم میں اس کو یہ مصیبتیں اٹھانا پڑ رہی ہیں۔

حقائق سے فرار، چھٹی وجہ ہے جس کے نتیجے میں لوگوں کے ہاں یہ عقیدہ قائم ہوا۔ خدا کا دیا ہوا کھانے اور اچھی طرح برت لینے کے بعد اُس خدا کا شکر، اسی کے سامنے حاضری اور اپنے عملوں کی جواب دہی کا تصور فطری بھی تھا اور عقلی بھی، مگر اس حقیقت کا اِدراک کرنا اور پھر اسی شعور کے ساتھ زندگی گزارنا اُس شخص کے لیے نہایت مشکل تھا جو اپنے منعم اور پروردگار سے بے پروا ہو چکا ہو۔ لہٰذا اس طرح کے حقیقت گریز شخص کے لیے تناسخ کا عقیدہ ہی محفوظ پناہ گاہ تھا جو جواب دہی کے تصور کو تو تسلیم کرتا تھا، مگر خدائی عدالت سے جاں خلاصی کا مژدہ سنا کر اسے عافیت کا ایک گوشہ بھی فراہم کر دیتا تھا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عقیدۂ تناسخ کی نامعقولیت

اس عقیدے کی پیدایش کے اسباب کوئی سے بھی رہے ہوں، لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس کو مانتی اور اس کی بنیاد پر اپنے دین کی وضاحت کرتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اسباب سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ دیکھ لیا جائے کہ خود اس عقیدے میں کیا کسی قدر معقولیت بھی پائی جاتی ہے؟ نیز بعد از موت زندگی کے بارے میں پیدا ہو جانے والے تشکک میں کیا تشفی کا کچھ سامان بھی اس کے ذریعے سے ہو سکتا ہے؟ لیکن اس نظر سے جب اس کا مطالعہ کیا جائے تو انتہائی درجے کی مایوسی ہوتی ہے، اس لیے کہ عقل و فطرت کے معیارات پر پورا اترنا تو بہت دور کی بات، اس پہلو سے متعدد اعتراضات اس پر وارد ضرور ہو جاتے ہیں۔ انھی اعتراضات میں سے ہم کچھ کا ذکر ذیل میں کرتے ہیں:

اولاً، یہ عقیدہ ایک بڑے اہم سوال کا جواب نہیں دیتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں وقوع پذیر ہونے والا کوئی بھی فعل جس طرح کچھ فوری اثرات رکھتا ہے، اسی طرح اس کے بہت سے اثرات دیرپا ہوتے اور کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوتے ہیں، حتیٰ کہ ایک نیکی اور بدی بسا اوقات صدیوں تک کو متاثر کر دے سکتی ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ عقیدۂ تناسخ کی رو سے جو کوئی مرتا ہے، اس کے عملوں کی جزا یا سزا اِسی دنیا میں شروع ہو جاتی ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ عمل جو مرنے کے بعد جاری رہتے ہیں، ان کے اچھے نتائج آخر کس کی جھولی میں پڑیں گے اور ان

کے برے نتائج کا ذمہ دار کون شخص ہوگا، بالخصوص اس صورت حال میں کہ جب گناہ کا ارتکاب کرنے والا درخت اور جانور بننے کے چکر سے نکل کر مکتی اور نروان بھی حاصل کر چکا ہو؟

ثانیاً عمل کا تنوع اور اس میں پائی جانے والی شدت اور نرمی، اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کے نتائج میں بھی تنوع اور درجے کا فرق پایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہر جگہ مختلف انواع کی نیکیوں اور بدیوں میں فرق کیا جاتا اور ان کی جزا اور سزا میں واضح تفاوت رکھا جاتا ہے۔ یہ کیا ہوا کہ عمل کوئی سا بھی اور کسی بھی درجے کا ہو، بدلہ سب کو یہی ملے کہ وہ گھاس اور جانور یا پھر انسان میں بدل دیا جائے۔ عقل عام اور عدل و انصاف کے تقاضے اس طرح کی یکسانیت کو ماننے سے یک سر انکار کرتے ہیں۔ سو تناسخ کے عقیدے میں پائی جانے والی یہ ایسی کمی ہے جو واضح طور پر اس کو نامعقولیت اور صریح ظلم کی طرف لے جاتی ہے۔

ثالثاً، اگر یہ بات صحیح ہے کہ انسان کی روح اس کے برے عمل کی پاداش میں کسی دھتکارے ہوئے بندر، اچھل کود کرتے مینڈک یا رینگتے اور گھسٹتے ہوئے حشرات الارض میں ڈال دی جاتی ہے تو یہ بات ماننا پڑے گی کہ اس نئے روپ اور اس کی یادداشت میں شخصیت، بہرحال انسان ہی کی ہوتی ہوگی، اس لیے کہ یہ نیا روپ اسی طرح تو اس کے جرموں کا بدلہ بن سکے گا؛ اور یہ ایسی معقول بات ہے کہ اہل تناسخ بھی اس کو بعینہٖ تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اس عقیدے میں اس وقت خلا پیدا ہو جاتا ہے جب پلٹ کر یہ سوال کیا جائے کہ کوئی انسان پچھلے جنم میں جانور تھا اور اچھے عملوں کے نتیجے میں انسان بنا دیا گیا تو اس کی یادداشت میں بھی اُسی جانور کی شخصیت اور اس کا شعور، اس وقت موجود کیوں نہیں ہے؟

اس سلسلے میں ایک تاریخی واقعہ بھی سامنے رہے تو مذکورہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے:

ایک مرتبہ ابن فلاس نامی ایک شخص تناسخ کے ماننے والے کسی صاحب کے پاس گئے۔ ان کے سامنے سیاہ رنگ کی ایک بلی تھی اور عام عادت کے مطابق اس کی آنکھوں سے پانی سا بہ رہا تھا۔ وہ صاحب کبھی اس کے جسم پر ہاتھ پھیرتے، کبھی اس کی آنکھوں کو پونچھتے اور پھر ایک دم سے رونے لگتے۔

ابن فلاس نے پوچھا: حضرت، کیا وجہ ہوئی کہ آپ اس طرح روتے ہیں؟

انھوں نے کہا: کم بخت، دیکھتے نہیں ہو کہ جب میں اس کو سہلاتا ہوں تب تب یہ روتی ہے، اس لیے ہو نہ ہو یہ میری والدہ ماجدہ ہیں جو حسرت بھری نگاہوں سے اپنے اس لعل کو دیکھتی اور پھر رونے لگتی ہیں۔

اس کے بعد وہ بلی سے اس طرح ہم کلام ہوئے، جیسے کہ وہ ان کی باتیں خوب سمجھ رہی ہو۔

www.javedahmadghamidi.com

ابن فلاس نے سوال کیا: آپ ان سے مخاطب ہیں، کیا یہ آپ کی باتیں کچھ سمجھتی بھی ہے؟

جواب دیا: کیوں نہیں؟

انھوں نے مزید پوچھا: کیا اس کی حسرت بھری آوازیں آپ بھی سمجھ رہے ہیں؟

انھوں نے کہا: بالکل بھی نہیں۔

ابن فلاس فوراً بولے: اگر یہ بلی سب سمجھتی ہے اور آپ کچھ بھی نہیں سمجھتے تو ماننا پڑے گا کہ یہ بلی واقعی کسی وقت میں انسان تھی، مگر آپ بھی ضرور کسی جانور سے بدلے ہوئے ہیں۔

رابعاً، تناسخ دنیا میں موجود دکھوں کی توجیہ یوں کرتا ہے کہ پچھلے جنموں کے یہ ہمارے کرم ہیں جن کا نتیجہ اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں، حالاں کہ ان کی توجیہ اس سے کہیں بہتر انداز میں کی جاسکتی ہے، یعنی یہ ماننے کے بجائے کہ ہم سابقہ زندگی کے برے عملوں کا نتیجہ پا رہے ہیں، یہ کیوں نہ مان لیں کہ ہم اس زندگی میں اسی زندگی کی غلطیوں کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ یا پھر یہ کیوں نہ مان لیں کہ یہاں کے ایسے اصل میں ایسے ہیں ہی نہیں، بلکہ ہمارے لیے برپا کیے گئے امتحان کا محض ایک جز ہیں۔ واضح سی بات ہے کہ یہ دونوں توجیہات تناسخ کی بیان کردہ توجیہ سے بدرجہا بہتر اور عقل وفطرت کے عین موافق ہیں۔

خامساً، اگر حقیقت یہی ہے کہ انسانی روحیں درختوں اور جانوروں میں داخل ہوتی اور اچھے عملوں کی وجہ سے انسانی جسموں میں لوٹ آتی ہیں تو سوال اٹھتا ہے کہ دنیا میں انسانی آبادی کے مسلسل بڑھتے چلے جانے کی پھر وجہ کیا ہے؟ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہر دور اور ہر زمانے میں اس کی آبادی ایک جیسی رہتی یا جو کبھی کم ہوتی بھی تو کبھی زیادہ بھی ہو جاتی، لیکن مسلسل بڑھتی ہرگز نہ چلی جاتی۔ چنانچہ اس صورت حال میں معقول بات یہ نہیں کہ گنی چنی کچھ روحیں ہیں جو لوٹ لوٹ کر آیا کرتی ہیں، بلکہ معقول بات یہ ہے کہ ہر آن نئی ارواح جو تناسخ کے چکر سے قطعی طور پر بے نیاز ہیں اس جہاں میں پیدا ہوتی، نئے انسانی قالب ڈھونڈتی، انھیں اپنا مستقر بنا لیتی، کچھ مدت کے لیے ان میں بسیرا کرتی اور پھر انھیں چھوڑ کر کہیں دور چلی جاتی ہیں۔

سادساً، موت کے بعد نئی زندگی کوئی ایسی شے نہیں کہ جس کا انسانی آنکھ نے مشاہدہ کیا ہو یا اس کی عقل ودانش ہی کبھی اس کا احاطہ کر سکی ہو، اس لیے یہ بات طے ہے کہ اس کے بارے میں اگر کوئی علم حاصل ہو سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف مابعد الطبیعیات کسی ذریعے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ عام طور پر اہل مذہب کے ہاں یہ ذریعہ آسمان سے اترنے والی الہامی ہدایت ہے جس میں خدا ہمیشہ سے مافوق الادراک دنیاؤں کی خبر دیتا اور اس نوعیت کے بہت سے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حقائق کو واضح کرتا رہا ہے۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ ان باتوں کی وحی وہ سب کی طرف براہ راست نہیں کرتا، بلکہ اس کام کے لیے وہ کسی نہ کسی نمائندے کا انتخاب کرتا ہے۔ لٰہذا عقیدۂ تناسخ پر اس پہلو سے بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاریخ عالم میں کسی خدائی نمائندے نے بھی کیا اس کے بارے میں کبھی کوئی بات کی؟ آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک، کسی ایک ہی نے اس کی طرف دعوت دی ہو یا اِن پر اترنے والی الہامی کتابوں، حتیٰ کہ کسی صحیفے میں اس کا ذکر تک ہوا ہو؟ اور اگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تو بذات خود یہ بات اس عقیدے کی نامعقولیت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے اور یہ مانے بغیر چارا نہیں کہ یہ ماوراے طبیعیات وہ دعویٰ ہے جس کے پیچھے محض انسانی کاوش کارفرما ہے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com